Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

Received: 11th Aug, 2024 | Accepted: 15th Dec, 2024 | Available Online: 31st Dec, 2024
Digital Object Identifier: 10.52015/daryaft.v16i02.405

معاصر بلوچستانی اردو نظم کا اساطیری اور داستانوی رنگ

Mythological and Fictional Color of Contemporary Urdu Poem of Baluchistan

DR. QANDEEL BADAR
Assistant Professor, Department of Urdu, Sardar Bahadur Khan Women's University Quetta, Pakistan
(qndil78@gmail.com)

ABSTRACT After the formation of language, the first link of human mind and civilization is the establishment of mythology. It would not be wrong if mythology is said to be the oldest form of literature in the world. Mythological style of expression is closely related to the genre of poem.

In Urdu poem, the mythological and fictional color was present in different forms from the beginning, which started to be more refined after 60s. In this period, a world of mythological symbols, religious and folk allusions got settled in the poem which expanded its scope of meanings.

The post 21st century poems have succeeded in creating a distinct identity due to their mythological atmosphere. Contemporary Baluchistan poetry has created a special way of creating new myths by grasping the atmosphere and linguistic system of mythology.

Mythology appears to be used in many forms in the poem of Baluchistan, either retelling of mythological stories through which many new meanings are created, or an event or character from an old myth with new features, is described. While in the third case, on the basis of different myths or by grasping the mythological atmosphere and language, new myth is fabricated. This third case is the most desirable for the current poem. In the tribal poetry of Baluchistan, all mythological elements and fictional style have been present with their full essence from the beginning. By adding all the characteristics of the present complex prospect to this essence, the leaven of contemporary Baluchistan Urdu poetry has been created. This paper is based on this specific study of poem.

Key words: Baluchistan, Urdu Poem. Mythology, Fiction, Tribal Poetry, Folklore, Allusion, Symbol, Contemporary, Prospect, Characteristics.

اساطیر سے متعلق دست یاب معلومات اور مباحث کی ذیل میں ماہر نفسیات سگنڈ فرائیڈ، کارل ژونگ، اور لیوی اسٹر اس کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس ضمن میں صرف ژونگ کی تحقیقی محنت کے حوالے سے سہیل احمد خان کی یہ رائے ملاحظہ کیجیے:

"ژونگ نے ایک اندازے کے مطابق تقریباً سڑسٹھ ہزار خوابوں کا تجزیہ کیا۔ ان خوابوں کی تمثالوں کے ذریعے سے وہ ان اساطیری وضعوں تک پہنچا جو دنیا بھر کی لوک کہانیوں، حکایات اور اساطیر میں ملتی ہیں۔ ان کے آفاقی ہونے کا مطلب یہی ہے کہ یہ

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

لاشعور کی ترجمان ہیں۔"[۱]

کارل ژونگ تمام تخلیقی فنون کو دو کیفیات کا محتاج بتاتا ہے جو اس کے لیے خوراک اکٹھا کرتی ہیں۔ جنہیں وہ نفسی اور غیبی کیفیت کا نام دیتا ہے۔ نفسی شعور جب کہ غیبی لاشعور کی پروردہ ہے جسے وہ انسان کے اجتماعی لاشعور سے جوڑتا ہے۔ انسان کا یہ اجتماعی لاشعور زبان کی صورت منتقل ہوتا رہا ہے۔ زبان اس کے مطابق اولین انسانی تخیل جسے آر کی ٹائپل تصور کہا جاتا ہے، کی نمائندہ ہے، جس میں واضح مفاہیم موجود نہیں لیکن یہ در حقیقت مفاہیم کی آماج گاہ ہے۔ بیسویں اور اکیسویں صدی کی تند و تیز بے رحم لہروں نے آر کی ٹائپ تصورات جو زمانی پینڈے میں کہیں بے حس و حرکت پڑے تھے، کو جھنجھوڑ کر پھر سے سطح پر نمودار کر دیا ہے۔ معاصر نظم کا گہرا مطالعہ اس امر کا غماز ہے کہ یہی تصورات اس کی عصری صورت گری کرنے میں عمل انگیز کی طرح کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر قاضی عابد رقم کے بہ قول:

> "اساطیر کا تعلق اگرچہ ماضی سے ہوتا ہے لیکن اگر غور کریں تو یہ انسان کے حال میں زندہ ہوتی ہیں کیوں کہ یہ انسان کے عقیدے سے متعلق ہوتی ہیں۔ مستقبل کی اساطیر وہ ہیں جو حال میں جنم لے رہی ہیں۔ عام عقیدہ تو یہی ہے کہ سائنس و شعور کے زمانے میں یہ محیر العقو لکہانیاں کیا جواز رکھتی ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، آج بھی اساطیر بن رہی ہیں۔ انسانکے ذہن کو اس نوع کی کہانی کے ساتھ کوئی ازلی نسبت ہے۔"[۲]

زبان کی تشکیل کے بعد انسانی ذہنی ارتقا اور تہذیبی بنیاد کی پہلی اینٹ اساطیر کا وجود میں آنا ہے۔ اساطیر لفظ اسطورہ سے مشتق ہے اس عربی لفظ کے معنی افسانہ، کہانی یا لغویات کے ہیں۔ اسطورہ، انگریزی لفظ متھ (myth)، جو یونانی لفظ (mythos) سے ماخوذ ہے، کے متبادل کے طور پر اردو میں رائج ہوا جس سے مراد زبانی ادا کیے گئے الفاظ ہیں۔ یعنی اصطلاح کے مطابق اساطیر وہ قصے تھے جو قصہ گو زبانی سنایا کرتے تھے۔ در حقیقت اساطیر دنیا بھر میں ادب کی قدیم ترین شکل ہے۔ ابتدائی طور پر انسان نے کائنات اور اس میں مقیم تمام موجودات سے متعلق جو بھی خیال آرائیاں کیں، اساطیر نے انھیں سے جنم لیا۔ لیکن تاحال اساطیر کے مفاہیم سے کماحقہ آگاہی نہیں ہو سکی جس کی کئی وجوہات بتائی جاتی ہیں۔ اساطیر کو سمجھنے کی راہ میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ یہ کہانیاں ایک دوسرے سے گہری مماثلت رکھتی ہیں، ایک کہانی کو سمجھنے کے لیے کئی کہانیوں میں سفر کرنا پڑے گا۔ ان کہانیوں کا ایک اپنا علامتی نظام ہے بالکل اسی طرح جیسے مشرقی غزل کی روایت سے ناواقفیت، غزل کی شعر سے مکمل لطف لینے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اساطیر کے معنی تک بھی ان کے مجموعی مطالعے ہی سے رسائی ممکن ہے۔ دوسرا اہم مرکزہ ثقافتی نشانات ہیں جن کی تفہیم کے بغیر اساطیر کے مکمل مفاہیم ہاتھ نہیں آ سکتے۔ لیکن دلچسپ امر یہ ہے کہ ان ابہام کے باوجود ہم اساطیر میں چھپے معنی سے رجوع کر پاتے ہیں۔ ماہرین اس کی وجہ بنیادی انسانی ذہن میں موجود اکائی یا یکسانیت کو قرار دیتے ہیں۔ انسان کا اولین احساساتی اور کائناتی نظام سے متعلق سادہ منطقی اظہار اساطیر ہی ہیں۔ موجودہ تحقیق تک اس سے قبل کے اظہاریے وجود نہیں رکھتے۔ یہ رسم الخط کی ایجاد سے بھی بہت پہلے کے ماخذات ہیں۔ لیکن ان میں ابتدائی انسان کے تہذیبی اور ذہنی سفر کی مکمل کہانیاں محفوظ ہو چکی ہیں۔ اساطیری کہانیوں کا سلسلہ یونان و روم سے لے کر ہندوستان تک

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

پھیلا ہوا ہے۔ ان کہانیوں کے موضوعات زیادہ تر مذہبی یا تمثیلی نوعیت کے حامل ہیں اور یہ انفرادی کی بہ جائے اجتماعی انسانی زندگی کی پیش کار ہیں۔ اگر ان کہانیوں کے مفاہیم کھل جائیں تو انسان کی تمدنی زندگی کا آغاز کی ساری گرہیں کھل جائیں۔ انسان میں اساطیر خلق کرنے کی صلاحیت قدرتی طور پر موجود بتائی جاتی ہے۔ ذکاالدین شایان بیسویں صدی کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں:

"اب موجود لمحات میں زندہ رہنے والا شخص ماضی حال اور مستقبل کی تمام پرچھائیوں کا قیدی تھا۔ صدیوں پہلے کے مذہبی، دیومالائی اور داستانی واقعات، مہیب اور دیو قامت مجسمے، مافوق الفطرت مظاہر جن، دیو، پری، اُڑن کھٹولے اور خوف ناک لمبے چوڑے جسیم حیوانات وغیرہ نئے انسان کے ذہن وخواب مین از سر نو بیدار ہوئے اور ان کی پرچھائیوں میں آدمی کی بنائی ہوئی تمام مصنوعی اور مشینی دنیا کی دیو قامتی پست اور چھوٹی ہو گئی۔"(۳)

اساطیر کے ذریعے قدیم انسان خود کو در پیش مسائل اور اپنے سوالات 'کیوں اور کیسے' کے جواب کے ڈھونڈتے تھے۔ ان کے مسائل و سوالات کا بنیادی پیش خیمہ کائنات کی تخلیق کے اسباب و وجوہات کی تلاش تھا۔ انسانی بے بسی، قوت کی کمی اور بالخصوص موت وہ اسباب تھے جن کے سامنے وہ خود کو لاچار متصور کیا کرتے تھے۔ انسانی قوتوں کی معراج کا حصول ان کا دیرینہ خواب تھا چوں کہ دیوی دیوتا ان کے لیے سپر پاور ہوا کرتے تھے لہذا اپنے گھڑے ہوئے بے شمار دیوی دیوتاؤں سے مدد اور طاقت طلب کرتے رہتے تھے۔ ان خود ساختہ دیوی دیوتاؤں کے عادات وخصائل تو انسانی ہی ہوتے تھے البتہ طاقت اور صلاحیت میں یہ انسانوں سے کئی گنا بڑھے ہوئے تھے۔ قدیم اساطیر کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یہ غیر منطقی ہوتے ہوئے بھی منطقی لگتی ہیں، لایعنی ہوتے ہوئے بھی سچی معلوم ہوتی ہیں، مضحکہ خیز ہوتے ہوئے بھی انسانی حیرت و استعجاب کو بہترین طریق پر بیان کرنے پر قدرت رکھتی ہیں۔ ان تمام تر غیر منطقی عناصر کے باوجود ان میں ابتدائی انسانی زندگی سے جڑی سچائیاں محفوظ ہیں جو تمام تر انسانی تہذیبی زندگی کے ارتقا کی ترجمانی کرتی ہیں۔ موجودہ ترقی یافتہ دور کا انسان اب بھی جب کائنات اور نظام کائنات پر تفکر کرتا ہے تو اس طلسماتی حیرت کدے کی کوئی کلید اس کے ہاتھ نہیں آتی، کائناتی نظام کے بھید اور اسرار تاحال انسان پر منکشف نہیں ہو سکے تو قدیم انسان کی اس متعلق سوچ بچار اور اس کا اساطیر میں ظہور، کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے۔

بیش تر اساطیری ماہرین اسطورہ کو ملحدانہ یا وثنی دور سے جوڑتے ہیں۔ تمام مذہبی صحائف میں انھیں خرافات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اساطیر کو مذہب سے منتج کرنے کی روایت قدیم ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں مذاہب کی طرز پر خیر و شر کی باہمی کشمکش اور طاقت کا بیانیہ اساطیر کا بھی بنیادی موضوع ہے، یہاں دلچسپ امر یہ ہے کہ اکثر صحائف پر بھی اساطیری متن کے اثرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ علی عباس جلال پوری نے اپنی کتاب "روایاتِ تمدنِ قدیم" میں دنیا کی پہلی رزمیہ نظم کی بابت فراہم بنیادی معلومات پر روشنی ڈالی ہے نیز دنیا کی قدیم ترین نظم کا متن بھی درج کیا ہے، اس نظم کا ترجمہ سید سبط حسن سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ نظم یہاں درج کرنا ضروری ہے تاکہ

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

ابتدائی نظمیہ متن سے واقفیت حاصل ہو اور اس کی روشنی میں موجودہ نظم کا اساطیری رخ بھی واضح ہو سکے۔ علی عباس جلال پوری کے بہ موجب:

"دنیا کی اس (گل گامش کا رزمیہ) رزمیہ کا شمار دنیا کی قدیم ترین نظموں میں ہوتا ہے۔ گل گامش کے رزمیے میں عالم گیر سیلاب کا قصہ بھی ملتا ہے جو اتاپُشتم کی زبانی بیان ہوا ہے۔"

"بنی نور انسان کا شور و غل برداشت سے باہر ہو گیا ہے / اور ان کی بکواس کے باعث اب سونا محال ہے / پس دیوتاؤں کے دل میں سیلاب کا خیال آیا / لیکن میرے آقا ایانے مجھے خواب میں خبردار کر دیا / اس نے دیوتاؤں کی باتیں چپکے چپکے میرے جھاؤ کے گھر کو بتا دیں / اوشرّو پاک کے انسان اُوبار اُتوتو کی اولاد! / اس گھر کو ڈھا دے اور ایک کشتی بنا۔۔ / تیرے جہاز کا ناپ یہ ہو / اُس کی شہتیر اُس کے طول کے برابر ہو / اُس کے عرشے کی کی چھت محرابی ہو / اُس قوس کہ مانند جو عالمِ سفلی کو ڈھانپے ہوئے ہے / تب تمام جاندار مخلوق کے تخم کشتی میں رکھ لے۔۔ / طلوعِ سحر کی پہلی تابانی کے ساتھ میرے گھر کے لوگ میرے گرد جمع ہوئے / بچے رال لے آئے اور مرد ضرورت کی دوسری چیزیں / پانچوں دِن میں نے جہاز کا پیندا بنایا اور خم دار لکڑیاں جوڑیں / اور تب میں نے تختہ بچھایا / جہاز کی نچلی منزل کا رقبہ ایک ایکڑ تھا / اَور بالائی عرشے پر ہر جانب ساٹھ گز تھا / اُس کے نیچے میں نے چھ طبقے بنائے کُل سات / اَور اُن کو میں نے نَو طبقوں میں تقسیم کر دیا / اَور حسبِ ضرورت پچڑ بھی ڈالے / میں نے چپوؤں اور لمبے شہتیروں کا بندوبست بھی کر لیا / اَور ضرورت کی سب سب چیزیں فراہم کر لیں / باربردار پیپوں میں تیل لے آئے / میں نے تار کول، ڈامر اور تیل کو بھٹّی میں ڈالا / جہاز کی درزیں بند کرنے میں بہت سا تیل خرچ ہُوا۔۔ / میں نے سونا چاندی، زندہ مخلوق، گھر کے لوگ عزیز رشتہ دار / مویشی، جنگلی اور پالتو جانور اور سب کاریگروں کو جہاز میں بھر لیا۔۔ / تَب شام ہوئی اور طوفان کے راکب نے بارش شروع کی / میں نے باہر جھانک کے دیکھا تو موسم نہایت خطرناک تھا / پس میں بھی جہاز میں سوار ہو گیا اور دروازے کو بند کر لیا / اب سارا انتظام مکمّل تھا، دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔۔ / طوفان سارا دن شور مچاتا رہا / اور اُس کی برہمی ہر لمحہ بڑھتی رہی / طوفان کے تھپیڑے فوجی حملوں کی مانند لگتے رہے / بھائی اپنے بھائی کو نہ دیکھ سکتا تھا / اور زمین کے ہر رہنے والے آسمان سے بھی نظر نہ آتے تھے / یہاں تک کہ سیلاب نے دیوتاؤں کو بھی دہشت زدہ کر دیا۔۔ / چھ دن اور چھ رات آندھی چلتی رہی / بارش، طوفان، اور سیلاب نے دُنیا پر غلبہ پا لیا / ساتواں دِن طلوع ہوا تو جنوبی طوفان تھم گیا / سمندر پُرسکون ہو گیا اور سیلاب رُک گیا

/ میں نے رُوئے زمین پر نگاہ دوڑائی تو وہاں کامل سکوت تھا اور انسان مٹّی کے ڈھیر بن گئے تھے __ / اِکیس کوس کے فاصلے پر مجھے ایک پہاڑ نظر آیا اور میری کشتی وہاں جا لگی / میری کشتی کوہِ نصیر پر رُک گئی اور پھر ہلائے نہ ہلی۔ / پانچواں دِن طلوع ہُوا تو میں نے ایک فاختہ کو آزاد کیا / وہ اُڑ گئی مگر اُسے بیٹھنے کے لیے کوئی خشک جگہ نہ ملی اور وہ واپس آ گئی / تب میں نے ایک ابابیل کو آزاد کیا / وہ اُڑی مگر بیٹھنے کے لیے کوئی خشک جگہ نہ ملی اور وہ واپس آ گئی / تب میں نے ایک کوّے کو آزاد کیا / اُس نے دیکھا کہ پانی پیچھے ہٹ گیا ہے / پس اُس نے اپنا پیٹ بھرا، اِدھر اُدھر اُڑتا اور کاؤں کاؤں کرتا رہا مگر واپس نہ آیا / تب میں نے جہاز کے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں / میں نے قُربانی کی اور پہاڑ کی چوٹی پر شراب لُنڈھائی / میں نے سات دیگچے چولہے پر رکھے اور لکڑی، بید، دیودار اور حنا کا انبار لگایا / اُن کی خوشبو دیوتاؤں تک پہنچی / تو وہ مکھیوں کی طرح چڑھاوے کے گرد جمع ہو گئے "

(کتاب میں اس کے بعد عہد نامہ قدیم میں درج نوح کا قصہ درج کیا گیا ہے جس کے بعد وہ لکھتے ہیں)۔۔عہد نامہ قدیم کا یہ بیان ظاہراً سمیری قصے سے ماخوذ ہے۔لیونارڈ وولے جس نے شہر اُرک کی کھدائی کی تھی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ گل گامش کے رزمیہ کا سیلاب اور طوفانِ نوح واحد الاصل ہیں۔ہندوؤں کا سیلاب کا قصہ بھی بابل کے واسطے سمیر یا ہی سے اخذ کیا گیا تھا۔" (۴)

علم الاصنام (Mythology) کے ماہرین کے مطابق تمام بنیادی علوم جیسے فلسفہ اور سائنس کی صورت پذیری میں، ان کے دائرہ کار کے تعین میں اساطیر کے کردار کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ابتدائی طور پر کائناتی معاملات پر تفکر کرنے والے اذہان بلاشبہ ادیب ہی تھے۔ انھیں کے تخیل سے پھوٹتے افکار نے ادھ کھلے بھیدوں سے متعلق سوچنے کی ابتدا کی۔علوم کی بنیاد رکھنے میں ادب کے کردار سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔اگر یوں کہا جائے کہ تمام علوم ادب ہی کی کوکھ سے جنمے ہیں تو بے جا نہیں۔بعد ازاں ان کے اپنے دوائر وجود پذیر ہوئے۔یہاں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ ادب کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ تاحال معلوم تحقیق کی روشنی میں تو ادب کی ابتدائی صورتیں بھی اساطیر ہی ہیں۔یہ جواب کئی حوالوں سے قرینِ قیاس لگتا ہے۔انسانی تخیل کی ابتدائی کارفرمائیاں، حیرتیں، تجسس یقیناً من گھڑت قصے کہانیوں میں ڈھلیں جنھیں اب ہم اساطیر کہتے ہیں۔ابتدائی دانش سے ماخوذ ان اساطیری کہانیوں کی زیادہ تر تین بنیادی صورتیں گنوائی جاتی رہی ہیں:

۱: دیومالا: یہ کہانیاں دیوی دیوتاؤں اور ماورائی طاقتوں کی فرضی سرگرمیوں کو محیط ہوتی ہیں۔

۲: لیجنڈ یا ساگا: یہ وہ کہانیاں ہیں جو قومی سوچ کو کسی تاریخی واقعہ، جنگ یا یلغار کے ذریعے تحریک دیتی ہیں۔

۳: لوک کہانی / فوک لور: یہ کہانیاں تفریحی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے لکھی جاتی ہیں۔

اس میں کسی تامل کی گنجائش نہیں کہ انہی من گھڑت کہانیوں نے مابعد کئی اصناف کی صورت گری کی۔ داستانیں، مذہبی حکایات، رومانوی اور لوک کہانیاں، ڈرامہ، مثنویاں، اور رزمیہ شاعری کی سبھی اشکال زیادہ تر اساطیر ہی سے پھوٹی ہیں۔ افسانہ، حکایت، رومان سے لے کر خرافات تک کئی اہم اصطلاحات کو تاریخی کتب میں اسطورہ ہی کہا گیا ہے۔ یوں یہ کہنا بے جا نہیں کہ بیش تر ادبی اصناف کے تشکیلی دورانیے میں، ان کے خدوخال تراشنے اور سنوارنے میں اساطیر نے بہ طور عمل انگیز کے اپنا خصوصی کردار ادا کیا ہے۔ یوں موجودہ دور تک مختلف النوع اصناف میں تخلیق کی جانے والی اساطیر کی کئی صورتیں ظہور پذیر ہو چکی ہیں جن کی شناخت کے لیے ان کی درجہ بندی از بس لازم امر ہے۔ اسی طرح نت نئی اساطیر کی تخلیق بھی ہر ہر صنف میں اپنا وجود منوا چکی ہیں۔ ہمارے کچھ ناقدین اب بھی اساطیر کی تشکیلِ نو کو نہیں مانتے لیکن مغرب میں اس حوالے سے کافی کام ہوا ہے۔ اس حوالے سے فہیم اعظمی نے لکھا ہے:

"جدید تخلیقی ادب میں اساطیر کا شعوری اور غیر شعوری استعمال بہت عام ہے۔ یہ عجیب
بات معلوم ہوتی ہے کہ جدید تخلیق کار قدیم تخلیقات سے انحراف بھی کرتا ہے لیکن
اساطیر کے معاملے میں روایتوں پر انحصار بھی کرتا ہے۔" (۵)

اساطیری طرزِ اظہار اور نظم میں گہرا سمبندھ ہے۔ اردو نظم میں اساطیری اور داستانوی رنگ ابتدا ہی سے موجود رہا ہے لیکن بالخصوص ساٹھ کی دہائی کے بعد اس کے خدوخال مزید واضح ہونا شروع ہوئے۔ اسی دور میں نظم میں اسطوراتی علامات اور مذہبی اور لوک تلمیحات کا ایک جہان آباد ہونا شروع ہوا جس سے نظم کے معنوی دائرے میں وسعت پذیری در آئی اور اس کی تفہیم اور ابلاغ میں رکاوٹ۔ اکیسویں صدی کے مابعد تخلیق ہونے والی نظمیں اپنی اسطوراتی فضا ہی کی وجہ سے علیحدہ پہچان بنانے میں کامیاب ہوئی ہیں، پرانی نظم کی بہ نسبت یہی رخ موجودہ نظم کی وجہِ امتیاز ہے۔ معاصر نظم گو نے اسطورہ کی مجموعی فضا اور لسانی نظام کو گرفت میں لے کر نئی اساطیر گھڑنے کی خصوصی طرح ڈالی ہے۔ اب ان نئی اساطیر کا مطالعہ بھی دو سطحوں پر کیا جا سکتا ہے۔

اول۔ پرانی اساطیر کا نئے اسالیب اور نئے ڈھنگ میں بیان، جو کم کم دیکھنے میں آتا ہے۔

دوم۔ نئی اساطیر یا اساطیری اور پُر تحیر طرزِ بیان کی تشکیل اور اس کی جملہ صورتیں، جو موجودہ نظم میں کثرت سے دکھائی دیتی ہیں۔

بلوچستان کے شعری سیاق بالخصوص علاقائی زبانوں کے ادب اور شاعری میں اسطورہ ان تمام متذکرہ صورتوں میں موجود رہا ہے۔ ان میں لیجنڈ یا ساگا کا حصہ خصوصی توجہ کا حامل ہے۔ یہاں کا موجودہ ادبی منظر نامہ یہاں کی قبائلیت اور مقامی زبانوں میں کثرت سے تخلیق کردہ لیجنڈ اور لوک ادب کا پیش خیمہ ہے۔ یہاں کی قومی زبانوں کے ادب میں قبائلی زندگی کے قیام و دوام میں اہم اور بنیادی کردار ادا کرنے والے بہادر شخص (ہیرو) کی نبرد آزمائیاں اور فتح یابی کے قصے مقبولِ عام رہے ہیں۔ بلوچستان کی بڑی قبائلی تہذیبوں نے ہمیشہ سے اپنی بقا کے لیے باقاعدہ جنگیں لڑیں ہیں چناں چہ یہاں کا لوک ادب، بہادری اور سرخروئی کی انھی داستانوں سے بھرا پڑا ہے۔ غیرت، بہادری، اپنی املاک کی حفاظت اور قبائلی تفخر کا استحکام، ان داستانوں کے عام موضوعات ہیں۔ یوں یہاں کی قبائلی شاعری میں بھی اساطیر کی تمام مجتمع اشکال دستیاب رہی ہیں۔ قبائلی شاعری میں موجود متذکرہ تمام اساطیری عناصر اور داستانوی طرزِ بیان اپنے مکمل جوہر کے

ساتھ ساتھ، موجودہ عہد کی بہت سی خصوصیات سمیٹتے ہوئے معاصر بلوچستانی اردو نظم کی بنت میں شامل ہوا ہے۔ بلوچستان کا قبائلی رنگ ،لیجنڈیا ساگا کا مکمل رنگ و آہنگ صادق مری کی ہر ہر نظم میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں کا بلوچی فوک لور جس تفصیل کے ساتھ ان کی نظم کا حصہ بنے ہیں اس کی مثال کسی اور کلام سے دینا ممکن نہیں۔ ان کی ایک نظم ملاحظہ کیجیے:

"دھندلکے میں کہاں تم کھو گئے بالاچ / کہیں کیا سو گئے بالاچ / اب اس سے پیشتر کچھ حادثہ ہو /
دیر ہو جائے / نکل آؤ کماں سے تیر کی صورت / کہ پھر سمی کی حرمت پر نہ حرف آئے / کہاں
کس اوٹ میں چٹان کی / گم ہو / کہاں اوڑھے ہوئے تم خاک / او جھل ہو / اٹھو دیکھو یہ بے گور
وکفن لاشہ / یہ دودا ہے / سکوت ایسا / کہ آہٹ چیخ سے بڑھ کر سنائی دے / دھندلکے میں کہاں
تم ہو / اب اس سے پیشتر کچھ حادثہ ہو، دیر ہو جائے / کسی سمی / کسی دودا، کی خاطر اب نکل آؤ
/ کماں سے تیر کی صورت / کوئی اڑتا پرندہ ہی دکھائی دے / کوئی نغمہ سنائی دے"

- "بالاچ گورگیج" ایک بلوچ شاعر اور انتقام کا دیوتا جس نے ایک خاتون "سمی" کی حرمت پر جان دینے والے اپنے بھائی "دودا" کا دشمنوں سے انتقام لیا۔

(دھندلکے میں اٹھو بالاچ! ، صادق مری)

(۲)

معاصر نظم میں موجود اساطیر کو اپنے پلاٹ، تکنیکی پیرائے، کردار سازی اور لسانی نظام سے شناخت کیا جاسکتا ہے۔ کائنات کی مقناطیسی گردش وماورائیت، زمان ومکان کا لامحدود و مبہم تصور، ازل سے ابد تک کا نامختتم سفر، تہذیبی تبدیلیاں اساطیر کا مواد بنتی رہی ہیں۔ یہ مفروضاتی و تخیلاتی مواد ادب کے بھی تار و پود میں گندھا ہوا ہے۔ اساطیر کی پُر تحیر، تخیلاتی، طلسماتی فضا داستانوں، سفرناموں اور افسانوں کی ساخت میں بُن دی گئی ہے۔ اساطیری کردار جن، بھوت پریت، دیوی دیوتا ہوں یا انسان، پرندے اور جانور ہوں دونوں صورتوں میں ان کی خوبیاں مافوق الفطرت ہوتی ہیں۔ ان میں ہیرو، سپرمین یا جادوگروں جیسی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ تفکر کریں تو غزل میں محبوب، قصیدے میں بادشاہ اور مرثیوں میں مذہبی اصحاب کی ماورائی خصوصیات اور متذکرہ کارنامے، اساطیری اثرات ہی کے حامل ہیں۔ عصری بلوچستانی نظم میں اساطیر کے استعمال کی سبھی اشکال نشان زد کی جاسکتی ہیں۔ لیکن مختلف اساطیر کو بنیاد بنا کر یا اساطیری اندازِ بیاں کو گرفت میں لے کر خود اسطوراتی فضا گھڑنا، یہ صورت یہاں کی نظم کو سب سے زیادہ مرغوب ہے۔ منیر مومن بلوچی زبان کے نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کی نظم اپنے علامتی و اساطیری پیرایہ کے حوالے سے اپنی خصوصی شناخت رکھتی ہے۔ یہاں ان کی ایک نظم کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

"دنیا۔ ایک ایسا شاندار گھر
جس سے باہر نکلنا بھول جاتے ہیں لوگ

زندگی۔۔
خدا کے بخشے ہوئے موسموں میں سے ایک موسم
اور عشق۔۔
خدا کے گھر سے چرایا ہوا ایک چراغ!
مجھے جتو کے جامن کے باغ کے
ان پہاڑی بیروں کی لذت بالکل یاد نہیں آتی
لیکن وہی بیر چرانے کا ذائقہ
میری زندگی کی شیریں ترین یاد ہے!
جب بھی تجھے دیکھتا ہوں
ایسا لگتا ہے
جیسے میں خدا کے کھیت میں
ایک عظیم الشان درخت سے
روشن بیر چرا رہا ہوں!"

(روشن بیر، منیر مومن، اردو ترجمہ: احسان اصغر) (۷)

اساطیر میں حیرت و استعجاب، تجسس و خوف، وسوسے و توہمات، ہیبت و وحشت جیسی کئی کیفیات کو متحرک کیا جاتا ہے جس کے لیے مخصوصی زبان استعمال کی جاتی ہے۔ دراصل اساطیر اپنی زبان کی وجہ سے ہی قائم ہوتی ہیں۔ اساطیر کی زبان متفخرانہ بہ یک وقت چونکانے، ڈرانے، دھمکانے والی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ رومانیت، داستانویت، ڈرامائیت اور افسانویت سے بھی بھرپور ہوتی ہے۔ علامتیت اس کا خاص وصف ہے جبکہ علامتیں زیادہ تر مناظر فطرت سے مستعار لی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اساطیر ادبی جمالیات کو اجاگر کرنے میں بڑی معاون رہتی ہیں اس لیے بھی ان کو تلف کرنا ممکن نہیں۔۔ اساطیر کے ذریعے نظم کے جمالیاتی اور ڈرامائی تاثر کو باآسانی بڑھایا جاسکتا ہے۔ اکثر شاعر غیر ارادی طور پر اساطیری اسلوب استعمال کرتے ہیں لیکن بلوچستان کی نظمیں اساطیری جمالیات کی پیش کش کا عمدہ نمونہ پیش کرتی ہیں۔ عدن عدیم کی نظمیں اپنی فضا، علامات اور کرداروں کے ذریعے موجودہ عصر کی اساطیری امیجز بڑی خوبصورتی سے تخلیق کرتی ہیں۔ مثال ملاحظہ کیجیے:

"درخت اُلجھے ہوئے ہیں اک دوسرے پہ / رستہ / مہیب سائے کی اُلجھنوں سے / نکل رہا ہے / طویل دُوری پہ دُور دِکھتا ہوا مسافر / قدیم رستے کو اپنے قدموں کی / چاپ دے کر / نکل گیا ہے / حروف ہیں، / لفظ ہیں ورق پر / مچلتی آواز اور ہاتھوں میں آبنوسی سرود ہے، / اور

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

سکوت ہے، سکوت ۔۔/ ساکت / ہوا ساعت میں بج رہی ہے / سکوت ۔۔ پھر بھی سکوت ۔۔ ہے / رقص ہے / مسلسل ۔۔ نمود ہے / اور جمود ہے / جمود ۔۔/ جامد / نظر کی سرحد سے ماورا تک / ہے جابہ جاتک / مدار اندر مدار لرزش / جمود ۔۔/ پھر بھی جمود ۔۔ ہے / اور نزول ہے / پہاڑ راتوں میں سرد کہسار / برف اَوڑھے کھڑے ہیں / سردی سے کانپتے ہیں / ساعتوں میں سکون بھرنے / سفر پہ چشمے نکل پڑے ہیں / تو برف / پھولوں کی طرح اُن پر / برس پڑی ہے / برستی بوندوں کی / پہلی سنکی دھمک سے نیندوں کی / نیند ٹوٹی / خمار ٹوٹا ہے / پیاس اُٹھی ہے ریگزاروں سے / دُھول ہو کر اُٹھا کے گرداب / ریت خود سے لپٹ گئی ہے / تھکن رسیدہ تمام چشمے / کمند پھینکے ہوئے ہیں / آتش فشاں میں مجذوب ہو گئے ہیں / طویل دُوری پہ / دُور دِکھتا ہوا مسافر / فلک پہ جا کر / زمین کی دھڑکن کو سُن رہا ہے / سمجھ رہا ہے / زمین زندہ ہے، / اُو نگھتی ہے / درخت اُمڈے ہوئے ہیں اک دوسرے پہ / رستہ / مہیب سائے کی اُلجھنوں سے نگل رہا ہے"

(۸)
(Earth، عدن عدیم)

اساطیر گھڑنے کے لیے غیر معمولی صلاحیت درکار ہوتی ہیں اور دیومالائی اندازِ فکر بھی۔ اسطورہ کے طرز پر پلاٹ بنانا پھر اسے افسانے یا نظم کی شکل دینا، فکری و فنی علویت کا متقاضی ہے جو خلاق تخلیق کاروں کے حصہ ہے۔ اس کے لیے کمال ریاضت اور خدائیداد صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ گہرے اور وسیع مطالعے کے ساتھ متخیلہ کی قوت کا بھی مضبوط ہونا بہت ضروری ہے۔ دانیال طریر کی طویل نظم "خدا میری نظم کیوں پڑھے گا" ان تمام اسطوراتی خصائص سے مزین ہے جس کا تذکرہ کیا گیا۔ اس نظم میں سے اساطیر کی نشان زد تمام اشکال بہ آسانی بہ طور مثال پیش کی جا سکتی ہیں لیکن یہاں ان کے نظمیہ مجموعے "معنی فانی" سے ایک نظم درج کی جا رہی ہے جو "اسطورہ" کے عنوان کے تحت لکھی گئی مندرجہ ذیل نظم کئی حوالوں سے خصوصیت کی حامل ہے۔ نظم کے آخری دو مصرعوں کمال طریق سے نہ صرف نظم کی معنوی کایا پلٹ دی، بلکہ تمام من گھڑت قصوں پر حقیقت کی مہر ثبت کر دی ہے۔ شاعر کے مطابق اگر اساطیر کو زمانوں کی قید سے آزاد کر دیا جائے تو یہ من گھڑت قصے کسی نہ کسی زمانے میں سچ ہو جاتے ہیں۔ شاعر در حقیقت اس نظم میں تخلیق اور ادب میں مضمر اسی آفاقیت کو بیان کر رہا ہے کہ ادبی اساطیر ہوں، دیومالائی قصے، فرضی حکایتیں ہوں یا مافوق الفطرت داستانیں، جو آج جھوٹ یا لغو معلوم ہوتے ہیں وہ آنے والے زمانے میں حقیقت کا روپ دھارن کر لیتے ہیں یعنی ادیب کی نظر فردا جھانکنے پر قادر ہوتی ہے۔ نظم ملاحظہ کیجیے:

"میں نے اس عفریت کا قصہ سنا ہوا ہے
جس نے سورج پھانک لیا تھا

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

پربت پربت آگ بھری تھی، خشک رگوں میں
جس نے دھرتی کے سینے میں لاگ بھری تھی
زرد رتوں میں
گہری خاموشی کے منہ میں شور بھرا تھا
کال کنوئیں کا
جس نے فضا کی انگھیٹی پر تھال دھرا تھا
سرخ دھوئیں کا
رستہ رستہ ویرانی کے جال بچھائے، سائے اگائے
جس نے پیڑوں کی شاخوں پر سانپ بٹھائے، پھن پھیلائے
میں نے ماضی کا وہ حصہ چنا ہوا ہے
جس نے فردا جھانک لیا تھا"

(اسطورہ، دانیال طریر) (۹)

ساٹھ کی دہائی میں اردو افسانے میں بہت سی واضح تبدیلیاں دیکھنے کو ملتی ہیں جن میں علامت اور اسطورہ کا کثیر استعمال شامل ہے۔ افسانے کے ساتھ ساتھ یہ علامتی اور اساطیری جہان معاصر نظم میں بھی غالب عنصر کی طرح موجود دکھائی دیتا ہے، جس کی کئی وجوہات ہیں۔ دنیا میں ترقی کی تیز رفتاری اور آئے دن کی رنگ بدلتی زندگی نے بالعموم بیسویں صدی اور بالخصوص اکیسویں صدی کے انسان کو مظاہر فطرت کی بجائے ترقی کے اس طاقت ور دیو کے سامنے بے بس بنا دیا ہے۔ ٹیکنالوجی کے بڑھتے عفریت نے کہیں نہ کہیں اس اساطیری فضا کو حقیقت ثابت کر دیا ہے جس کے بارے میں ابتدائی طور پر انسان قصے گھڑا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ عالمی طاقتیں جس زبان میں دنیا کے پس ماندہ ممالک سے مکالمہ کر رہی ہیں اسے بھی اساطیری زبان اور فضا کی پیش کش کے ذریعے ہی احاطہ تحریر میں لایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاصر نظم اسی محیر العقول فضا اور دیوی دیوتاؤں کے جاری کردہ احکامات کی طرز پر موجودہ سیاسی صورت حال کو پیش کر رہی ہے۔ بلوچستان میں تخلیق ہونے والی موجودہ نظم اساطیری فضا اور زبان کو گرفت میں لے کر معاصر بلوچستانی سیاسی تناظر کو کمال ہنر مندی سے پینٹ کرتی دکھائی دیتی ہے۔ نظمیں دیکھیے:

"یہ جنگل اب اور گھنا ہے
لہو میں ایک اک پیڑ سَنا ہے
چھدرا چھدرا سا جیارا
کوئی رستہ، کوئی تارا

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

کہیں نہیں اب کہ کہیں نہیں ہے
سنّاٹا ہے، تاریکی ہے
دھرتی جو زخمی زخمی ہے
ہر سمت آزو ہوس کی دلدل
حَبس کا ہر سو پھیلا جنگل
دہشت ناک درندہ آنکھیں
ہول بھری وحشی آوازیں
لمحہ بھر کو سنّاٹے میں
اُبھریں اور پھر گم ہو جائیں
سنّاٹا سا سنّاٹا ہے
گلی سڑی لاشوں کی بُو ہے
اور لہو ہے
جو بکھرا بکھرا ہر سُو ہے
مصلحتیں، خاموشی اَوڑھے کونوں کُھدروں میں دُبکی ہیں
ہر منظر بس لَہو سَنا ہے
عبرت کی تصویر بنا ہے"

(عبرت کی تصویر، عین سلام)[۱۰]

"میں تاریخ میں کہیں بھی موجود نہیں ہوں
مگر پوری تاریخ
تمام جینیٹک اوصاف کے ساتھ
کسی کمپیوٹر کی چِپ کی طرح
مجھ میں سما گئی
میری روح کی اداس آنکھوں کے دریچوں سے
جب کوئی خواب اندر آنا چاہے
تو روشنی کے پردوں پر

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

اساطیری کرداروں کے سائے
ہیولے بن کر رقص کرنے لگتے ہیں
میرے احساسات کے گھنے جنگلوں میں
اب بھی شیاطین کا بسیرا ہے"

(آفاقی روح، منتخب حصہ، غنی پہوال)[۱۱]

"ابولہول کی دنیامیں
فریادیں جو کرتے ہیں
اہراموں کے اندر سے
چیخوں سے یہ لکھتے ہیں
دیواروں کے اوپر بھی
رنگوں میں یہ چھپتے ہیں
تابوتوں کے کونے میں
"کا"نامی اک کوّا ہے
زندہ لاش کے سینے میں
پتھر سا دل رکھا ہے
سناٹا سا رہتا ہے
ابولہول کی دنیامیں
آج بھی ایسا ہوتا ہے
فریادیں جو کرتا ہے
فرعونوں کی آوازیں
اہراموں کے اندر سے
دہشت کی ہر آہٹ پر
چیخوں سے یہ لکھتی ہیں
ان کو بھی دفنا دیں گے
دیواروں کے اوپر سے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

پتھر پھینکے جاتے ہیں
شام پہ سرخی چھاتی ہے
بے کس، بے بس، بیچارے
رنگوں میں چھپ جاتے ہیں
تابوتوں کے کونوں میں
ٹکڑے پھینکے جاتے ہیں
"کا" نامی اک کوّا بھی
زندہ لاشیں کھاتا ہے
دھک دھک کرتی ہیں آہیں
سناٹا سا چھاتا ہے
ابولہول کی دنیا میں
اہراموں کو موت نہیں...."

(فرعون زندہ ہیں، تمثیل حفصہ)[۱۲]

معاصر نظم میں اساطیر کی موجودگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موجودہ عہد کے بیش تر شاعر مغرب و مشرق کے قدیم ادب (یونان، روم، مصر و بابل، مہاتما بدھ، رامائن، مہابھارت) نیز مذہبی صحائف (توریت، انجیل، قرآن) سے بھی کماحقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام لوک ادب بھی ہماری جڑوں میں موجود ہے۔یوں ہمارا تمام تہذیبی سرمایہ بہ صورت اساطیر ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ بن چکا ہے۔یہ انسانی ارتقا کا جزو لاینفک ہیں۔یوں اساطیر کا وہ حصہ جو اب ہماری تہذیب و تمدن، زبان، مذہب اور اسلاف سے جڑ گیا ہے، ہمارے رسوم و رواج میں داخل ہو گیا ہے، بلکہ یوں کہنا درست ہو گا کہ ہماری توارث (Genes) میں بہ طور پرنٹ کے شامل ہو چکا ہے، ہمارے شعر و ادب میں اس کی دہرائی کا عمل جاری رہے گا۔بہ طور نمونہ چند نظمیں دیکھیے:

"تشدد کو الوہیت نہ کہنا
خدا کے مسترد فرمان کیا تم نے سنے ہیں
تمھیں معلوم ہے کہ حق اگر مقتول نہ ہو
باعثِ تقلید آدم ہو نہیں سکتا
کفن گننے سے شب سے
قتلِ امکانِ وفا سے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024
تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

تمھیں فرصت کا وہ لمحہ ملا ہے
(جہاں شیطان اپنی کھال کو
تبدیل کرنے کے لیے اک مدتِ محدود چاہے تو)
بشارت خواب، نیکی سے بھری آنکھیں
فلک کے گہرے نیلے پانیوں کو
صرف انگارہ سمجھتی ہیں
جو انگارہ زمین کو خاک کرتا
اور فضا کو راکھ کرتا ہے
تمھیں اڑتے پرندوں سے محبت ہے!
محبت عہد نامہ ہے
زبورِ عصر کی متروک ہوتی اصطلاحوں کا
کسی فہرست میں کھوجو
کسی خاکسترِ زرّیں ورق پر
آنسوؤں کی ان بجھی تحریر میں ڈھونڈو
مگر تم جانتے ہو کہ محبت دستِ دل پر
اک مقدس بیعت نامختتم ہے
اور تمہارے ہاتھ پہ کتنا لہو ہے"

(بغداد کا آسماں، بیرم غوری) (۱۳)

"محبت ہے شہر اساطیر کا وہ پرندہ
کہ جس کے پروں کی سماوی رسائی
زماں سے زماں تک
نشاں سے نشاں تک رہے گی!
ابھی اس سمندر کی پہنائی میں ہیں
کئی لاکھ برسوں کی آئندہ ورفتہ لہریں
یہ لہروں کی مہتاب گاہیں

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024
تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

کہ جن کی رگوں میں رواں ہے کہیں صبحِ پیغمبراں
اور کہیں عصرِ مقتل
کسی لہر پر نقش، فرہاد و شیریں کے قصے
کہیں پر تصوف کی حیرت سرا
جہاں گونجتی ہے ابھی تک "اَنا الحق" کی زخمی صدا
کراں تا کراں!
یہ وہ بے خودی ہے
کہ جس کی روایت میں زندہ ہیں اب تک
خلا و ملا کے مساکن،
یہ دریا،
یہ بے نم بیاباں،
یہ مٹی،
یہ مٹی کا اظہار
انساں!"(محبت، احمد شہریار) (۱۴)

"کہا مَیں نے وتایو!
بہت یخ ہے زمستاں
ضعیفی میں نحیفی
سہی جاتی نہیں بیٹے
تمہارا قرب ہے رب سے
تمہیں وہ خوب سنتا ہے
اُسے کہنا
ہمیں دوزخ سے تھوڑی آگ تو دے دے
وتایو نے کہا اماں!
وہاں تو جو بھی جاتا ہے
وہ من دھونی میں جَل بُھن کر

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

خود اپنی آگ اپنے سنگ
یاں سے لے کے جاتا ہے
جہنم کی تو اپنی آگ ہوتی ہی نہیں ہے! "

- "وتایو فقیر"، سندھ کا ایک درویش منش لوک کردار

(آگ، عمران ثاقب)[۱۵]

مابعد جدید دور کے لکھاریوں نے تمام تر روایتی پیرایوں سے شدید بیزار دکھائی ہے اور حتی الامکان ان سے انحراف کیا ہے۔ لیکن اساطیر کے معاملہ مختلف نوع کا حامل ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اساطیر میں ہمہ وقت تازگی اور جدت کی صفت کی وجودگی ہے۔ کچھ ناقد اسے کلیشے سے تعبیر کرتے آئے ہیں لیکن دیگر اس کی تازگی، نئے پن اور کلیشے کو توڑنے کی صلاحیت کے معترف ہیں۔ کلیشے میں تبدیلی بھی حیرت و استعجاب اور فرحت کو جنم دیتی ہیں جو خود اساطیری دائرہ کار میں شامل ہے۔ آج دنیا بھر میں اساطیر کا سب سے بنیادی کلیشے "خیر و شر" کی جنگ اور خیر کی غالبیت، ہی توڑ پھوڑ اور شکست وریخت کا شکار ہو گیا ہے۔ آج جو اساطیر نظمیہ یا دیگر ادبی اصناف میں قلمبند ہو رہی ہیں وہ مثبت کی بجائے منفی قوتوں کے بیانیے پر مشتمل ہے۔ شر کی طاقت ور قوت کا مہابیانیہ۔ مابعد جدید دور میں منفی قوتیں خدائی قوت کی طرح دنیا سے ہم کلام ہیں اور فتح یابی بھی ان ہی کے حصے میں آ رہی ہے۔ خیر اور نیکی اور ان کی قوتوں کی کہانیاں اب واقعتاً اساطیری نوعیت اختیار کر گئی ہیں یعنی محض ماضی کی داستانیں بن کر رہ گئی ہیں۔ آج کے دور کی اساطیر سائنس فکشن کی صورت میں اپنی موجودگی کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ یا "بگ باس چاہتے ہیں" جیسی مشہور تشکیلی حقیقت کی طرز پر۔ موجودہ عصر میں شر کی تمام قوتیں خیر کی سبھی علامتوں پر غالب آ گئی ہیں۔ دنیائی خدائی قوتیں تیسری دنیا کے باسیوں سے کس طرح کلام کر رہی ہیں؟ کس طرح اپنی فتح کا جشن منا رہی ہیں؟ نوشین قمبرانی کی نظمیں اس کی بہترین عکاس ہیں۔ یہاں ان کی ایک نظم کا کچھ حصہ پیشِ خدمت ہے:

"جنگلوں میں گھنی جھاڑیوں سے نکلتی ہوئی
کس نے دیکھی تھیں
صحراؤں میں تشنگی ناپتی
ڈر کے غاروں میں سہمے ہوئے
چار پایوں کے تن پہ برستی ہوئی مہرباں وسعتیں؟

کیا خبر ان ابد گھاٹیوں سے پرے
ڈر کے غاروں میں سہمے ہوئے چار پائے کہیں
دورِ وحشت سے تہذیب تک کے بڑے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

ابلیسے کے ہوں پھر منتظر۔۔؟
اور اُن پر برسنے لگیں مہرباں ہو کے
شیطان گر وسعتیں۔"

(The Axiom of Infinity، منتخب حصہ، نوشین قمبرانی) (۱۶)

ہر قوم کچھ ایسے انفرادی تہذیبی خصائص کی حامل ہوتی ہے جو اسے دیگر اقوام سے ممیز کرتی ہے ۔ چناں چہ یہی انفرادی اوصاف اس کی شناخت کو مستحکم کرنے میں معاونت کرتے ہیں۔ ان تہذیبی اوصاف کی تشکیل میں کئی عناصر شاملِ کار رہتے ہیں۔ ہر قوم اپنے جغرافیے، اپنی آب وہوا، اپنے معاشی نظام، اپنے رہن سہن سے اپنا تہذیبی مزاج طے کرتی ہے اور پھر یہی مزاج اس کے فوک لور کو متشکل کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فوک لور سے کسی بھی قوم کے تہذیبی مزاج کے خدوخال اخذ کیے جاسکتے ہیں تو بے جا نہیں۔ عتیق اللہ اپنے مضمون "آر کی ٹائپ: تصور اور تنقید" میں رقم طراز ہیں:

> " اسطور کے تاریخی ،نیم تاریخی ہیرو اور ان کے مخاطراتی کارنامے، مذہبی مہم جوئیاں، عوامی تہوار، تقریبات، اولیا، انبیا، اور ان سے منسوب محیر العقول معجزات، ان کے سوانح، فلسفی، دانش ور اور ان کے رہ نما اصول، لوک مسلمات، کہاوتیں، اقوال اور مقبول عام سینہ بہ سینہ چلے آنے والے روایتی قصے، حکایتیں اور محاضرات وغیرہ نسلی حافظے کا وہ متحرک مواد ہیں جو کسی قوم کی انفرادی اور اجتماعی تہذیبی وذہنی تشکیل وتعمیر کرتے ہیں۔"(۱۷)

بلوچستانی اقوام ایسے ہی منفرد اوصاف کی حامل اقوام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کا فوک لور بھی ایسے ہی انفرادی نقوش رکھتا ہے جنہیں اسی مٹی اور مزاج کے ساتھ جوڑ کر ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ بلوچستان کا منفرد پینوراما، یہاں کا لینڈ اسکیپ، تہذیب و تمدن و ثقافت، فوک لور، اہم تاریخی واقعات و کردار، زمینی، سیاسی اور معاشی حقائق، مسلسل کشاکش، مزاحمت وبغاوت، یہ سب رجحانات مل کر معاصر نظم کا خمیر بنتے ہیں مختصراً بلوچستان بنیادی مرکزے کے طور پر اس نظم کا محور و محرک ہے، معاصر نظم کے تمام شاخسانے اسی مرکزے سے پھوٹتے ہیں اور اسی کے گرد اپنا تانابانا بنتے دکھائی دیتے ہیں۔

موجودہ زندگی اپنے کُل میں ایک بالکل نئے اور بڑی حد تک ایک مبہم منظرنامے کی پیش کار ہے۔ سیاسی اور سماجی زندگی کے جملہ پہلو پیچیدگی کا شکار ہو چکے۔ موجودہ عہد کی پرت در پرت تہہ داری نے اساطیر کے تفریحی مقاصد کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ لیکن انھیں کی تخلیق کے نئے اسباب بھی پیدا کر دیے ہیں۔ ان کے اہتمام سے نئے بیانیے تشکیل دیے جارہے ہیں اور اس مبہم صورت حال کے ساتھ ہم آہنگی کی نئی صورتیں پیدا کی جارہی ہیں۔ اکیسویں صدی کے ڈرامائی ظہور کے بعد یہ دیومالائی قصے، کہانیاں، واہموں کی بجائے حقیقت کی غمازی کرنے کے قابل ہوگئی ہیں اور ماہرانہ استعداد کے ساتھ اس غیر یقینی اور پل پل بدلتی صورت حال کا سامنا کرنے لگی ہیں

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

جو معاصر منظر نامے کی دین ہے۔ معاصر عہد بہ ذات خود ایک اسطورہ ہے جس کی تیز رفتار سفاکیت پر تاحال غیر معمولی انسانی دانش یقین نہیں کر سکی۔ چناں چہ بلوچستان، اکیسویں صدی کے مضمرات، موجودہ ٹیکنالوجیکل عہد تک انسان کا ذہنی و تہذیبی ارتقا اور اس تیز رفتار عہد میں اپنے وجود کی شناخت اور اپنے ہونے کے جواز کی تلاش، یہ سب معاصر نظم کا اہم موضوعی دائرہ بنتے ہیں۔ بلوچستانی کے نظم گو شعرا نے اپنی پُر زور متخیلہ کے زیر اثر اس عہد کی تصویر کشی کرنے کے نت نئے روپ تراشنے اور نت نئی اساطیر خلق کرنے کی عمدہ کاوشیں پیش کی ہیں نیز معاصر بلوچستانی نظم اپنی منفرد فضا، علامات اور امیجز کے اعتبار سے مجموعی عصری اردو نظم کا بھی ایک منفرد حوالہ بن رہی ہے۔ ان اوصاف کی روشنی میں یہاں کی نظم کے روشن مستقبل کی پیشن گوئی کی جا سکتی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سہیل احمد خان، مجموعہ سہیل احمد خان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹، ص ۲۱۷

۲۔ قاضی عابد، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور اساطیر، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۶۴-۶۵

۳۔ ذکا الدین شایان "جدید اردو نظم میں علامتوں کا استعمال، مشمولہ، اردو نظم ہیئت و اور تکنیک، مرتب، خوشحال ناظر، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۸، ص ۱۴۳-۱۴۴

۴۔ علی عباس جلال پوری، روایاتِ تمدنِ قدیم، تخلیقات، لاہور، بار سوم، ۲۰۰۲ء، ص ۱۷-۲۲

۵۔ فہیم اعظمی، آرا، مکتبۂ صریر، کراچی، ۱۹۹۲، ص ۱۱۷

۶۔ صادق مری، کاریزوں میں بہتا پانی، مہر در ریسرچ اینڈ پبلی کیشن، کوئٹہ، ۲۰۲۳ء، ص ۱۳۶-۱۳۷

۷۔ منیر مومن، گمشدہ سمندر کی آواز، مترجم، احسان اصغر، عکس پبلی کیشن، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص ۵۶-۵۷

۸۔ عدن عدیم، لفظ مقدس ہوتے ہیں، الحمد پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳۱-۱۳۶

۹۔ دانیال طریر، معنی فانی، مہر در انسٹیٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلیکیشن، کوئٹہ، ۲۰۱۲ء، ص ۳۲

۱۰۔ عین سلام، گہر گہر ستارگی، قلات پبلشرز، کوئٹہ، ۲۰۱۱ء، ص ۲۲۲

۱۱۔ غنی پہوال، سانسوں کی کشتیاں، رنگِ ادب پبلی کیشن، کراچی، ۲۰۱۹ء، ص ۳۷

۱۲۔ تمثیل حفصہ، فرعون زندہ ہیں (نظم)، مطبوعہ: سنگت (ماہنامہ)، جلد ۱۲، شمارہ ۳، فروری ۲۰۱۸ء، ص ۴۸

۱۳۔ بیرم غوری، نجمِ تمہیدِ شب، گوہر گھر پبلی کیشنز، کوئٹہ، ۲۰۲۳ء، ص ۱۰۴-۱۰۵

۱۴۔ احمد شہریار، اک قدم اور، کولاج پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۳ء، ص ۵۵-۵۶

۱۵۔ عمران ثاقب، چپ کی چاپ، مہر در انسٹیٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلیکیشن، کوئٹہ، ۲۰۱۳ء، ص ۱۰۱

۱۶۔ نوشین قمبرانی، The Axiom of Infinity (نظم)، مطبوعہ: سنگت (ماہنامہ)، جلد ۲۰، شمارہ ۱۱، اکتوبر ۲۰۱۷ء، ص بیک ٹائٹل

۱۷۔ عتیق اللہ، "آرکی ٹائپ: تصور اور تنقید"، مشولہ، تنقید کی جمالیات، جلد ۸، مرتب، پروفیسر عتیق اللہ، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۱۸۳

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024
تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

References in Roman Script:

1. Suhail Ahmad Khan, Majmooa Suhail Ahmad Khan, Sang E Meel Publications, Lahore,P. 217
2. Qaazi Abid, Doctor, Urdu afsana or isateer, Mujals Tarqi Adab, Lahor 2009, P. 64-65
3. Zakka Udin Shayaan, Jadid Urdu Nazm Mian Alamaton Ka Istemal, Mashmola, Urdu Nazm Hait aur Technique,Muratab, Khushal Nazir, Misal Publisher, Faisalabad, 2018,P. 143-144
4. Ali Abbas Jalal Puri, Riwayat E Tamadun E Qadeem, Takhleeqat, Lahore, Third Addition, 2002, P. 17- 22
5. Faheem Azmi, Aara, Maktaba E Sarir, Karachi, 1992, P. 119.
6. Sadiq Marri, Karezoon Main Bahta Pani, Mahr dar Research and Publication, Quetta, 2023, P. 136- 137
7. Muneer Momoin, Gumshda Samandar ki Aawaaz, Tarjuma, Ahsan Asghar, Aks Publication, Lahore, 2020, P. 57-58
8. Adan Adeem, Lafz Muqadas hotay hain, Alhamd Publications, Lahore, 2006, P. 131-136
9. Danial Tareer, Mani Fani, Maher dar institute of research and Publication, Quetta, 2012. P. 32.
10. Ain Salam, Guher Guher Sitaragi, Qalat Publisher, Quetta, 2011, P. 222.
11. Ghani Pahwal, Sanson ki kashtiyan, Rang e adab Publication, Karachi, 2019, P. 37
12. Tamseel Hafsa, Faraon Zinda hain (nazm), Matabua: Sangat (Mahnama), Jild 21, Shumara 3, February 2018, P. 48.
13. Beram Ghauri,Najm E Tamheed E Shab, Gauher Ghar Publications, Quetta, 2023, P. 104-105
14. Ahmad Sheheryar, Ik Qadam Aur, Collage Publications, Lahore, 2023, P. 55-56
15. Imran Saqib,Chup ki Chap, Maher dar institute of research anf publication,Quetta,2013,P. 101
16. Nausheen Qambarani, The Axiom of Infinity (Nazm) , Matbua, Sangat, Jild 20, Shumara 11,October 2017, P. Back Title.
17. Attiq Ullah,Aarki Type: Tasawur awr Tanqeed,Mashmola,Tanqeed ki jamaliyat (Jild: 8), Muratab, Professor Attiq Ullah, Fiction House, Lahore, 2018, P. 183

Dr. Qandeel Bader is an Assistant Professor in the Department of Urdu at Sardar Bahadur Khan Women's University, Quetta, Pakistan. She completed her Ph.D. in Urdu from the National University of Modern Languages, Islamabad, with a focus on Poetry and Criticism. Dr. Bader has authored 14 research articles and one poetry book, and she received the prestigious Allama Iqbal Adabi Award in 2022. Her research interests center on poetic expressions in contemporary Urdu literature. Additionally, she holds the position of Chairperson of the Department of Urdu at Sardar Bahadur Khan Women's University, Quetta.